جمعے کے دن زوال کا حکم

جمعة المبارك

تصنیف

مولانا ندیم احمد انصاری حفظہ اللہ
ڈائریکٹر الفلاح اسلامک فاؤنڈیشن انڈیا

www.afif.in

ناشر
الفلاح اسلامک فاؤنڈیشن انڈیا

تفصیلات

کتاب: جمعے کے دن زوال کا حکم

تصنیف: مولانا ندیم احمد انصاری

صفحات: ۱۶

ناشر: الفلاح اسلامک فاؤنڈیشن، انڈیا

ویب سائٹ: www.afif.in

ای میل: alfalahislamicfoundation@gmail.com

بلاگ: Alfalahislamicfoundation.blogspot.in

فیس بک: facebook.com/alfalahislamicfoundation

چند روز قبل جناب مفتی مہدی حسن صاحب (اِرلا، ممبئی) نے درجِ ذیل سوال ارسال کیا تھا:

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ مفتیانِ کرام سے ایک مسئلے کی تحقیق کی درخواست۔ ہمارے یہاں کی مسجد میں اس وقت جمعے کی اذان بارہ بج کر پینتالیس منٹ پر ہوتی ہے اوراس کے بعد ہی لوگ سنت میں مشغول ہو جاتے ہیں، جب کہ زوال بارہ اکیاون پر ہوتا ہے، امامِ مسجد سے کسی نے معلوم کیا تو آپ نے فرمایا کہ ''جمعے کے دن زوال نہیں ہوتا''۔ ایسی حدیث پیش کی۔ آپ حضرات سے تحقیق کی درخواست ہے۔

اس پر یہ بے مایہ درجِ ذیل تفصیلات پیش کر رہا ہے، جن کا خلاصہ یہ ہے کہ زوال کے وقت میں نفل یا کوئی بھی نماز پڑھنا احناف کے مفتیٰ بہ قول کے مطابق درست نہیں گو کہ امام ابو یوسفؒ اور طرفین کا اس میں اختلاف منقول ہے لیکن صحیح اور احوط قول امام اعظمؒ کا ہی ہے، نیز احادیثِ مبارکہ کی رو سے بھی امام اعظمؒ کا موقف قوی ہے۔ ظاہر ہے کہ زوال روز ہوتا ہے اور جمعے کے دن زوال کے وقت نماز پڑھنے کے جواز

میں بعض روایات وارد ہوئی ہیں مگر وہ صحیح نہیں ہیں۔ من جملہ ان کے ایک روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مسندِ شافعی میں رفعاً مروی ہے اور اسے صاحبِ مشکوٰۃ نے بھی ذکر کیا ہے لیکن اس میں اسحاق اور ابراہیم دو راوی ضعیف ہیں۔ علامہ بیہقیؒ نے بھی اسے روایت کیا ہے، اس کی سند میں واقدی متروک ہے، دوسرے طرق میں عطاء بن عجلان متروک ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ثعلبہ بن ابی مالک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کر کے تائید کی ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم جمعے کے دن زوال کے وقت نفل پڑھتے تھے مگر مذکورہ تبع تابع کا صحابہ سے لقاء نہیں، لہٰذا یہ بھی ثابت نہیں اور سنن ابوداؤد میں اور اثرم نے بھی ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

صحیح مسلم میں ہے:

عن عقبۃ ابن عامر قال ثلٰث ساعات کان رسول اللہ ﷺ ینھانا أن نصلي فیھن، أو نقبر فیھن موتانا، حین تطلع الشمسُ بازغۃً حتی ترتفع، وحین یوم القوم قائم الظھیرۃِ حتی تمیلَ الشمسُ وحین تضیفُ للغروب حتّی تغرب۔ (مسلم:۱:۸۳۱)

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ زوال کے وقت نماز پڑھنا منع ہے خواہ جمعے کا دن ہو یا کوئی اور اس لیے کہ منع کی حدیثیں صحیح ہیں اور جواز کی صحیح نہیں۔

امام شافعیؒ کا مسلک یہی ہے، ان کے نزدیک جمعے کے دن نصف النہار کے وقت (ٹھیک دوپہر کو) بھی نماز پڑھنا درست ہے لیکن امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک درست نہیں یا تو اس وجہ سے کہ جن حدیثوں میں نصف النہار کے وقت نماز پڑھنے کی 'نہی' آئی ہے 'مشہور' ہیں اور یہ حدیث 'ضعیف' ہے، اُن (مشہور حدیثوں) کا مقابلہ

نہیں کر سکتی، یا اس وجہ سے کہ جن حدیثوں میں 'نہی' (ممانعت) آئی ہے (اور جو امام اعظم کی مستدل ہیں) وہ 'محرم' ہیں اور یہ حدیث 'مبیح' ہے اور 'مبیح' پر 'محرم' کو ترجیح ہوتی ہے۔(مظاہرِ حق جدید: ۲/۶۶، ادارۂ اسلامیات، دیوبند)

فقیہ النفس حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے سوال کیا گیا کہ جمعہ کے روز دوپہر کو بھی نماز پڑھنا جائز ہے جس وقت میں اور دنوں میں نماز کو منع کرتے ہیں [یعنی زوال کے وقت]، کیا حکم ہے؟ حضرت موصوفؒ نے مختصراً تحریر فرمایا: بعض علماء کے نزدیک درست ہے۔(باقیاتِ فتاویٰ رشیدیہ: ۱۸۵)

اسی طرح مفتیِ اعظم ہند حضرت مفتی کفایت اللہ دہلویؒ کا بھی فرمان ہے، وہ لکھتے ہیں:

زوال جمعے کے روز بھی ہوتا ہے مگر اس دن بعض فقہاء نے زوال کے وقت نوافل وسنن پڑھنے کی اجازت دی ہے۔(کفایت المفتی جدید: ۳/۲۹۱، دارالاشاعت، کراچی)

نیز مفتیِ اعظم گجرات حضرت مفتی سید عبدالرحیم لاجپوریؒ رقم طراز ہیں:

جمعے کے دن بھی زوال کے وقت نماز پڑھنا مکروہ اور منع ہے۔(فتاویٰ رحیمیہ جدید: ۶/ ۹۴، دارالاشاعت، کراچی)

مسئولہ سوال کے مثل ایک سوال کے جواب میں مفتیِ اعظم حضرت مفتی عزیز الرحمن عثمانیؒ رقم فرماتے ہیں:

اذان قبل الوقت درست نہیں ہے اسی لیے فقہاء اعادے کا حکم فرماتے ہیں اور وقت جمعے کا مثل ظہر کے بعد زوال کے شروع ہوتا ہے، لہٰذا اذانِ جمعہ بعد زوال کے

ہونی چاہیے، قبلِ زوال درست نہیں۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند جدید: ۲/ ۷۵، دارالاشاعت، کراچی)

یہی نہیں بلکہ 'اہلِ حدیث' حضرات کے یہاں بھی جمعے کا وقت ظہر کی طرح ہے، جیسا کہ ان کے مشہور عالم مولانا محمد نذیر دہلوی صاحب کا فتویٰ ہے:

وقتِ نمازِ جمعہ بعینہٖ وقتِ ظہر ہے۔ (فتاویٰ نذیریہ: ۱/ ۴۰۹) اور ظہر کا وقت اصح مذہب پر آفتاب کے ڈھلنے [یعنی زوال کے بعد] سے اس وقت تک ہے کہ ہر شئے کا سایہ اس کے برابر ہو، علاوہ سایۂ اصلی کے۔ (فتاویٰ نذیریہ: ۱/ ۶۰۹، اہل حدیث اکادمی، لاہور)

فقیہِ دوراں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے جس کتاب میں حنفیہ کے دلائل پیش کرنے کا اہتمام کیا ہے، اس میں اس مسئلے کو بڑی تفصیل سے حل فرمایا ہے، چناں چہ 'اعلاء السنن' (۲/ ۶۰-۵۹، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، کراچی) میں رقم طراز ہیں:

(کراھۃ الصلاۃ عند الاستواء) وأما الکلام علی النھی عن الصلاۃ فی نصف النھار، فمذھبنا إطلاق النھی للحدیث المذکور فی المتن، وأما ورد من استثناء یوم الجمعۃ فقد رواہ الشافعی علیہ الرحمۃ، قال: أخبرنا إبراھیم بن محمد حدثنا إسحاق بن عبد اللہ (ابن أبی فروۃ) عن سعید المقبری عن أبی ھریرۃ رضی اللہ عنہ أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نھی عن الصلاۃ نصف النھار حتی تزول الشمس إلا یوم الجمعۃ (مسند الشافعی، ص: ۳۵)، وبہ قال الشافعی وأبو یوسف علیہ الرحمۃ من أئمتنا۔

والجواب عنہ أن استثناء یوم الجمعۃ لم یرد فی حدیث صحیح،

و کل ما جاء فیه فهو ضعیف بأسره۔ قال الحافظ فی 'التلخیص' بعد ذکر الحدیث المذکور 'وإسحاق وإبراهیم ضعیفان، ورواه البیهقی من طریق أبی خالد الأحمر عن عبدالله - شیخ من أهل المدینة - عن سعید به، ورواه الأثرم بسند فیه الواقدی وهو متروک، ورواه البهیقی بسند آخر فیه عطاء بن عجلان وهو متروک - إلی أن قال - وفی الباب عن واثلة رواه الطبرانی بسند واه عن أبی قتادة وسیأتی۔

قلت: حدیث قتادة رواه أبو داؤد عن لیث عن مجاهد عن أبی الخلیل عن أبی قتادة عن النبی صلی الله علیه وآله وسلم أنه کره الصلاة نصف النهار إلا یوم الجمعة، وقال: إن جهنم تسجر إلا یوم الجمعة۔ (۱/۴۲۱) قال أبو داؤد: وهو مرسل (یعنی منقطعاً) مجاهد أکبر من أبی الخلیل، وأبو الخلیل لم یسمع من أبی قتادة اه۔ وفی التلخیص: وفیه لیث بن أبی سلیم، وهو ضعیف۔ قال الأثرم: قدم أحمد جابر الجعفی علیه فی صحة الحدیث۔ (۱/۸۰) وفی فتح الباری: وجاء فیه حدیث عن أبی قتادة مرفوعاً: أنه صلی الله علیه وآله وسلم کره الصلاة نصف النهار إلا یوم الجمعة فی إسناده انقطاع وقد ذکر له البیهقی شواهد ضعیفة إذا ضمت قوی الخبر۔

قال العلامة القاری علیه الرحمة: قول ابن حجر لکنه اعتضد بمجیئه من طریق أخری موصولاً غیر مقبول، من غیر بیان أنه أی طریق موصول، اه (مرقاة: ۳/۶۴)

وفی 'ردالمحتار': فشراح 'الهدایة' انتصروا القول الإمام، و

أجابوا عن الحديث المذكور بأحاديث النهي عن الصلاة وقت الاستواء، فإنها محرمة، وأجاب في 'الفتح' بحمل المطلق على المقيد، وظاهر ترجيح قول أبي يوسف، ووافقه في 'الحلية' كما في 'البحر' لكن لم يعول عليه في 'شرح المنية' و 'الإمداد' على أن هذا ليس من المواضع التي يحمل فيها المطلق على المقيد كما يعلم من كتب الأصول، وأيضاً فإن حديث النهي صحيح رواه مسلم وغيره، فيقدم بصحته وإتفاق الأئمة على العمل به وكونه حاظراً، ولذا منع علمائنا عن سنة الوضوء وتحية المسجد وركعتي الطواف ونحو ذلك، فإن الحاظر مقدم على المبيح۔ (۱/۳۷۵)

نیز 'امداد الاحکام' میں تحریر فرماتے ہیں:

علامہ شامیؒ نے صاف طور پر ترجیح دی ہے قولِ امام اعظمؒ کو اور 'فتح القدیر' نے جو قولِ ابو یوسفؒ کو ظاہراً ترجیح دی ہے اس کے متعلق لکھا ہے؛ ولكن لم يعول عليه في 'شرح المنية' و 'الامداد' على ان هٰذا ليس من المواضع التي يحمل فيها المطلق على المقيد كما يعلم من الأصول وأيضاً فإن حديث النهي صحيح، رواه مسلم وغيره فيقدم بصحته وإتفاق الأئمة على العمل به وكونه حاظراً الخ۔ اور اخیر میں اپنی تائید کے لیے تحریر فرماتے ہیں؛ ورأيت في البدائع أيضاً ما نصه وما ورد من النهي إلا بمكة شاذ لا يقبل في معارضة المشهور وكذا رواية استثناء يوم الجمعة غريب فلا يجوز تخصيص المشهور به۔

والحمد للہ اس سے صاف واضح ہے کہ راجح قول امام صاحبؒ کا ہے اور جمعہ کو بھی دیگر ایام کی طرح استواء کے وقت نماز پڑھنا ممنوع ہے۔ (امداد الاحکام: ۱/ ۴۱۰، دار العلوم

کراچی)

احناف میں سے امام ابو یوسفؒ کا جو قول جواز کا مذکور ہوا، اس کے متعلق فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ رقم طراز ہیں:

عین استواے شمس کے وقت جمعہ کے روز امام ابو یوسفؒ کے قول پر نوافل پڑھنا درست ہے، بلا کراہت، امام اعظمؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک مکروہ ہے، یہ ہی راجح ہے، **كذافي الغنية**، ص: ۲۳۵۔ یعنی عین استواء کے وقت کسی بھی نماز فرض یا نفل کا شروع کرنا مکروہ ہے، امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جمعے کے روز اس وقت نفل مکروہ نہیں۔ **ويكره تحريماً مطلقاً ولو قضاءً أو واجبةً أو نفلاً أو على جنازة و سجدة تلاوة وسهو مع شروق و استواء إلا يوم الجمعة۔ درمختار، ص: ۳۸۴۔ وروى عن أبي يوسف أنه جوز التطوع وقت الزوال يوم الجمعة۔ كبيرى: ۲۳۵۔**

دونوں قول کتبِ فقہ ردالمحتار وغیرہ میں مذکور ہیں، ایک کو امداد الفتاویٰ میں لیا گیا ہے، دوسرے کو ’فتاویٰ دارالعلوم‘ میں لیا گیا ہے۔ امداد الفتاویٰ سے حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا قول اوسع ہے اور فتاویٰ دارالعلوم کا قول احوط ہے، دونوں باتوں کی گنجائش ہے۔ مزید تفصیل و تطبیق یہ ہے کہ طلوعِ آفتاب، غروبِ آفتاب اور زوالِ شمس یہ تین وقت کراہت کے ایسے ہیں کہ ان وقتوں میں نفل، غیر نفل کوئی نماز پڑھنی درست نہیں، بجز اس کے کہ عصر کی نماز باقی رہ گئی ہو اور پڑھتے پڑھتے آفتاب ڈوب جائے اور دوسرے یہ کہ جمعے کے دن زوالِ شمس کے وقت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک تحیۃ الوضو پڑھ سکتے ہیں اور ان کراہت کے تین وقتوں کے علاوہ عصر کی فرض پڑھ لینے کے بعد غروبِ شمس سے پہلے اور فجر کی نماز پڑھ لینے کے بعد سورج نکلنے سے پہلے، یہ دونوں

وقت ایسے ہیں کہ ان میں صرف قضا تو پڑھ سکتے ہیں مگر نفل وغیرہ واجب نہیں پڑھ سکتے۔

حنفیہ کے نزدیک صحیح قول کے مطابق استواے نہار کے وقت کوئی بھی نماز درست نہیں ہے، سنتِ جمعہ بھی اس میں شامل ہے۔علامہ شامیؒ اس مسئلے میں بحث فرماتے ہیں: لکن شراح الھدایۃ انتصروا لقول الإمام (و ھو عدم جواز الصلوٰۃ وقت استواء) وأجابوا عن الحدیث المذکور بأحادیث النھی عن الصلوٰۃ وقت الاستواء، فإنھا محرمۃ۔ ردالمحتار، ص: ۳۴۵ مع اضافہ۔ اور جب زوال کا وقت بارہ بج کر اکیاون منٹ پر ہے تو بارہ بج کر پینتالیس منٹ پر جمعے کی نماز درست نہیں ہوگی۔ و ھو سنۃ للرجال فی مکان عال مؤکدۃ ھی کالوجب فی لحوق الإثم للفرائض الخمس فی وقتھا ولو قضاء۔ الدرالمختار علی ھامش ردالمحتار۔ ص: ۲۵۷۔ (قولہ للفرائض الخمس الخ) دخلت الجمعۃ۔ ردالمحتار: ۲/۲۵۷۔ (فتاویٰ محمودیہ جدید محقق: ۸/۳۴۳-۳۴۱، بتغیر، جامعہ فاروقیہ، کراچی)

یہاں تک تو بیان ہوا جمعے کے دن زوال کے وقت نماز کے جواز وعدمِ جواز کا، آگے مطلق زوال کے حوالے سے چند ضروری باتیں پیش کی جاتی ہیں:

استواے قارن سے زوال فارق تک تقریباً دس منٹ کی تخمین ہے، لہٰذا نقشوں میں دیے ہوئے وقتِ زوال سے پانچ منٹ قبل اور پانچ منٹ بعد نماز نہیں پڑھنی چاہیے۔ (فتاویٰ دارالعلوم زکریا: ۲/۶۱)

فتاویٰ حقانیہ میں فتاویٰ محمودیہ کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے:

زوال میں زیادہ وقت نہیں لگتا اور نہ اس کے لیے کوئی متعین وقت مقرر ہے، اس لیے مناسب یہ ہے کہ نصف النہار سے چند منٹ قبل اور چند منٹ بعد نماز پڑھنے سے توقف کرنا چاہیے۔(فتاویٰ حقانیہ: ۳/ ۴۰، جامعہ حقانیہ، کراچی)

نیز بعض دفع نصف النہار کے معنی سمجھنے میں غلطی ہوتی ہے، جس کے ازالے کے لیے ’خیر الفتاویٰ‘ (۲/ ۱۸۵، مکتبۂ امدادیہ، ملتان) سے درجِ ذیل سوال وجواب ملاحظہ فرمائیں:

سوال: اوقاتِ مکروہہ ثلاثہ غروب، طلوع اور استواء اکثر کتبِ متون اور شروح میں مذکور ہیں۔ غروب وطلوع تو معلوم ہیں لیکن استواء کے متعلق مختلف الفاظ ہیں۔ مسلم شریف میں ہے؛ حین یقوم قائم الظھیرۃ۔ ابوداؤد شریف میں ہے؛ نصف النھار حتی تزول الشمس۔ منیۃ المصلی میں ہے؛ وقت الزوال۔ نور الایضاح میں ہے؛ استوائھا۔ بہشتی زیور میں ہے؛ ٹھیک دوپہر، اور اکثر کتب میں ضحوۂ کبریٰ ہے۔ یہ سب ایک چیز ہیں یا علاحدہ علاحدہ؟ صحیح وقت نصف النہار کب شروع ہوتا ہے اور اس کی شناخت کیا ہے؟ کراہتِ نماز کے لیے نصف النہار شرعی مراد ہے یا حقیقی؟

جواب: طحطاوی (ص: ۱۰۰) میں ہے؛ (قولہ والثانی عندا ستوائھا) وعلامتہ ان یمنع الظل عن القصر ولا یأخذ فی الطول فإذا صادف انہ شرع فی ذلک الوقت بفرض قضاء أو قبلہ وقارن ھٰذا الجزء اللطیف شیئاً من الصلوٰۃ قبل القعود قدر التشھد فسدت۔

عبارتِ بالا سے معلوم ہوا کہ نصف النہار سے مراد نصف النہار حقیقی ہے اور

یہی اصل ہے اور اس کی علامت یہ ہے کہ سایہ کم ہوجانا بند ہوجائے اور ابھی تک بڑھنا شروع نہ ہوا ہو، البتہ ائمۂ ماوراء النہر کے ہاں اس سے مراد نصف النہار عرفی ہے۔

وعزا في القهستاني القول بأن المراد انتصاف النهار العرفي إلى أئمة ماوراء النهر۔اھ (شامی: ۱/ ۳۴۵)

جب کہ نصف النہار عرفی و شرعی اور ان کے معلوم کرنے کا طریقہ بتاتے ہوئے مفتی رشید احمد صاحب لدھیانویؒ رقم طراز ہیں:

نصف النہار شرعی صبح صادق سے لے کر غروب تک کے کُل وقت کا نصف ہے اور نصف النہار عرفی سے مراد طلوعِ آفتاب سے لے کر غروبِ آفتاب تک کے کل وقت کا نصف ہے۔ یہ وقتِ استواء معلوم کرنے کا تقریبی طریقہ یہ ہے جو تقریباً چالیس عرض البلد تک کار آمد ہے، بالکل صحیح نصف النہار معلوم کرنے کے تحقیقی قاعدے جو ہر جگہ کام دیتے ہیں میری کتاب 'ارشاد العابد' میں ملاحظہ ہوں۔ نصف النہار شرعی معلوم کرنے کا آسان قاعدہ یہ ہے کہ صبح صادق کی ابتدا سے طلوعِ آفتاب تک جتنا وقت ہو اس سے آدھا وقت نصف النہار عرفی کے وقت سے کم کر دیا جائے، مثلاً صبح صادق کا کُل وقت ایک گھنٹہ ہو تو نصف النہار عرفی سے آدھا گھنٹہ پہلے نصف النہار شرعی ہوگا۔ اردو میں مسائل کی کتابوں میں نصف النہار عرفی سے ڈیڑھ گھنٹہ قبل نصف النہار شرعی بتایا گیا ہے، اس میں تین طرح سے تسامح ہوا ہے؛

(۱) صبحِ کاذب کو صبحِ صادق قرار دیا گیا ہے۔

(۲) ہر موسم اور ہر مقام کے لیے ایک ہی معیار متعین کر دیا ہے، حالاں کہ ہر مقام اور ہر موسم میں یہ وقت مختلف ہوتا ہے۔

(۳) نصف النہار عرفی سے صبحِ کاذب کے کُل وقت کے برابر کم کیا گیا ہے، حالاں کہ صبحِ صادق کے کُل وقت کا نصف کم کرنا چاہیے۔

روزے کی نیت نصف النہار شرعی سے قبل کرنا ضروری ہے اور کراہتِ نماز میں نصف النہار عرفی معتبر ہے۔ علامہ برجندیؒ نے شرح نقایہ میں اس پر اشکال ظاہر فرمایا ہے کہ نصف النہار عرفی کا وقت ممتد نہیں، اس لیے اس میں نماز متصور ہی نہیں ہو سکتی تو اس سے نہی صحیح نہیں، اس بنا پر بعض حضرات نے نصف النہار شرعی سے لے کر نصف النہار حقیقی تک پورے وقت کو نماز کے لیے مکروہ قرار دیا ہے مگر بندے کے خیال میں صرف اس اشکال کی وجہ سے نصف النہار شرعی مراد لینے کی گنجائش نہیں، جب کہ کسی ایک حدیث سے بھی اس کی تائید نہیں ہوتی بلکہ جمیع احادیث نصف النہار عرفی پر دلالت کرتی ہیں، اشکالِ مذکور کے متعدد جواب ہو سکتے ہیں:

(۱) اگر چہ اس وقت میں پوری نماز متصور نہیں ہو سکتی مگر مقصد یہ ہے کہ نماز کا کوئی جز بھی اس وقت میں واقع نہ ہو، یہ جواب علامہ برجندیؒ نے بھی دیا ہے۔ (ردالمحتار: ۱/ ۳۷۴)

(۲) مرکزِ شمس کی بجائے اس کے پورے جرم کا اعتبار ہے **کما فی حدیث عبداللہ الصنابحی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ثم إذا استوت قارنھا۔ (موطا امام مالک، ص: ۱۰۲)** دائرۂ نصف النہار سے محیطِ شمس کا ایک کنارہ گزرنے سے لے کر دوسرا کنارہ گزرنے تک بہ روئے حساب دو منٹ آٹھ سیکنڈ صَرف ہوتے ہیں، اتنے میں نماز متصور ہو سکتی ہے۔

(۳) احکامِ شرعیہ کا مدار حساباتِ ریاضیہ پر نہیں بلکہ مشاہدے پر ہے اور

مشاہدے میں استوائے قارن سے زوالِ فارق تک تقریباً دس منٹ کی تخمین ہے، لہٰذا نقشوں میں دیے ہوئے وقتِ زوال سے پانچ منٹ قبل اور پانچ منٹ بعد نماز نہیں پڑھنا چاہیے۔ ویؤیدہ ما نقلہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ عن الطحطاوی فی تفسیر قول شارح التنویر (ووقت الظھر من زوالہ أی میل ذکاء عن کبد السماء) أی وسطھا یحسب ما یظھر لنا۔ تعلیلِ کراہت سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے، نماز کی طرح عبادتِ شمس بھی آنِ واحد میں تو متصور نہیں ہو سکتی، ظاہر ہے کہ 'عبدۃ الشّمس استواء' بہ حسبِ مشاہدہ ہی کو وقتِ عبادت قرار دیتے ہوں گے۔ فقط واللہ اعلم (احسن الفتاویٰ: ۲/ ۱۳۳-۱۳۲)

'آپ کے مسائل اور ان کا حل' میں بھی کچھ اسی طرح لکھا ہوا ہے، ملاحظہ فرمائیں:

نصف النہار شرعی سے یا ضحوۂ کبریٰ سے زوالِ آفتاب تک نماز ممنوع ہونے کا قول علامہ شامیؒ نے قہستانی کے حوالے سے ائمہ خوارزم کی طرف منسوب کیا ہے مگر احادیثِ طیبہ اور اکابرِ اُمت کے ارشاد میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قول معتمد نہیں، صحیح اور معتمد قول یہی ہے کہ نصف النہار عرفی کے وقت نماز ممنوع ہے، جب کہ سورج ٹھیک خطِ استوا سے گزرتا ہے اور یہ بہت مختصر سا وقت ہے، پس نماز کے نقشوں میں زوال کا جو وقت درج ہوتا ہے اس سے پانچ منٹ آگے پیچھے میں توقف کر لینا کافی ہے۔ یہاں دار العلوم دیوبند کے مفتیِ اوّل حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن عثمانیؒ کا فتویٰ نقل کرتا ہوں:

سوال: چاشت وغیرہ کی نوافل ۱۲ بجے پڑھنی دُرست ہے یا

نہیں؟ اور جنتری اسلامیہ میں زوال یا قضا نماز کا وقت ۱۲ بج کر ۲۴ منٹ پر لکھا ہے۔

جواب: زوال کے وقت نوافل وغیرہ کچھ نہ پڑھنی چاہیے اور نہ ایسے وقت نوافل پڑھنی چاہیے کہ زوال کا وقت درمیانِ نماز میں ہو جائے، پس جس گھڑی کے مطابق زوال کا وقت ۱۲ بج کر ۲۴ منٹ پر ہے، اس کے مطابق اگر ۱۲ بجے نفل یا قضا نماز اس طرح پڑھے کہ زوال سے پہلے پہلے اس کو ختم کر دے تو یہ جائز ہے مگر جب زوال کا وقت قریب آجائے اس وقت کوئی نماز شروع نہ کرے تاکہ ایسا نہ ہو کہ درمیان نماز میں زوال کسی وقت ہو جائے۔ فقط۔ (فتاویٰ دار العلوم مکمل و مدلل: ۲/ ۶۹)

حضرتِ اقدس مفتی صاحبؒ کے اس فتوے سے معلوم ہوا کہ نماز کے ممنوع ہونے میں ضحوۂ کبریٰ یا نصف النہار شرعی کا کوئی اعتبار نہیں بلکہ عین وقتِ زوال کا اعتبار ہے، جس کو وقتِ استویٰ یا نصف النہار حقیقی کہتے ہیں۔ جمعے کے دن نصف النہار کے وقت نماز پڑھنا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ اور امام محمد رحمہ اللہ علیہ کے نزدیک اسی طرح ناجائز ہے جس طرح عام دنوں میں البتہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ علیہ سے ایک روایت میں اس کی اجازت نقل کی گئی ہے، جو حضرات جمعے کے دن نصف النہار کے وقت نماز پڑھتے ہیں، غالباً وہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ علیہ کی روایت پر عمل کرتے ہوں گے لیکن فقہِ حنفی میں راجح اور معتمد امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ اور امام محمد رحمہ اللہ علیہ ہی کا قول ہے،

اس لیے احتیاط اسی میں ہے کہ جمعے کے دن بھی استوا کے وقت نماز پڑھنے میں توقف کیا جائے۔(آپ کے مسائل اور ان کا حل جدید: ۳/ ۲۰۷-۲۰۵)

آگے فرماتے ہیں:

اوقات کے نقشوں میں جو زوال کا وقت لکھا ہوتا ہے اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کے بعد نماز جائز ہے، زوال میں تو زیادہ منٹ نہیں لگتے، لیکن احتیاطاً نصف النہار سے ۵/ منٹ قبل اور ۵/ منٹ بعد نماز میں توقف کرنا چاہیے۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ علیہ کے نزدیک جمعے کے دن استوا کے وقت نماز دُرست ہے، اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ کے نزدیک مکروہ ہے، حضرت امام ابوحنیفہؒ کا قول دلیل کے اعتبار سے زیادہ قوی اور احتیاط پر مبنی ہے، اس لیے عمل اسی پر ہے۔(آپ کے مسائل اور ان کا حل جدید: ۳/ ۲۰۷)

واللہ تعالیٰ أعلم وعلمہ أتم

ھذا ما حضر الآن ولعل اللہ یحدث بعد ذلک أمراً

العبد ندیم احمد انصاری

(خادم الفلاح اسلامک فاؤنڈیشن، انڈیا)

۲۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۷ھ مطابق ۹/ مارچ ۲۰۱۶ء